مقالات: مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

وضع حدیث اور وضّاعین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس جہان سے رحلت فرمائی تو عرب کا تقریباً تمام علاقہ اسلام کے زیرِ نگیں آچکا تھا۔ آپؐ کی حیاتِ مبارکہ میں جو افراد اسلام قبول کر چکے تھے، ان کی تعداد چار لاکھ بیان کی جاتی ہے۔ لیکن ایسے مسلمان جو آپؐ کی صحبت سے فیض یافتہ ہوئے، ایسے صحابہ کرامؓ کی تعداد سوا لاکھ کے لگ بھگ ہے اور وہ اصحابؓ جن سے احادیثِ رسولؐ مروی ہیں، ان کی تعداد تقریباً چار ہزار ہے۔

آپؐ کی حیاتِ مبارکہ میں سنّت کی واضح ترین شکل یہ تھی کہ صحابہؓ آپؐ کو جو کچھ اور جیسے کرتے دیکھتے، وہی کچھ اور ویسے ہی کرنے لگ جاتے۔ آپؐ اگر کسی کام کا حکم دیتے تو فوراً اس کی تعمیل کرتے اور اگر کسی کام سے روکتے تو فوراً رک جاتے۔ گویا سنّت اور اتباعِ سنّت کا بیشتر دارومدار تعاملِ صحابہؓ پر تھا۔ حفظ و کتابت اور روایتِ احادیث کا نمبر بہرحال ثانوی تھا۔ آپؐ نے چند صحابہؓ کو احادیث لکھنے کی اجازت بھی دی تھی اور روایتِ حدیث کی اجازت بھی اس شرط پر دی تھی کہ "خبردار! میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب نہ ہونے پائے۔ ورنہ اس کی سزا جہنم ہے" لہٰذا صحابہ کرامؓ اس سلسلہ میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے۔

بایں ہمہ اس حقیقت سے بھی انکار مشکل ہے کہ مسلمانوں میں منافقین اور مرتدین کا بھی ایک گروہ شامل تھا جو آپؐ کی وفات کے فوراً بعد کھل کر سامنے آگیا تھا۔ ایسے ہی لوگوں میں سے، یا زم تر الفاظ میں ان نومسلموں میں سے، جن میں ابھی ایمان راسخ نہ ہوا تھا، ایک شخص ایسا بھی تھا کہ جس نے آپؐ کی زندگی ہی کے آخری ایام میں آپؐ پر جھوٹ بولا۔ پورے دورِ نبویؐ کی تاریخ میں سے صرف یہی ایک، اور پہلی مثال ملتی ہے کہ آپؐ کی زندگی میں آپؐ پر جھوٹ باندھا گیا

ملا علی قاری نے اپنی موضوعاتِ کبیر میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

"وَلِابْنِ عَدِيٍّ فِي الْكَامِلِ عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ: كَانَ حَيٌّ مِنْ بَنِي لَيْثٍ عَلَى مِيلَيْنِ مِنَ الْمَدِينَةِ، وَكَانَ رَجُلٌ قَدْ خَطَبَ مِنْهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمْ يُزَوِّجُوهُ فَأَتَاهُمْ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَسَانِي هٰذَا وَأَمَرَنِي أَنْ أَحْكُمَ فِي أَمْوَالِكُمْ وَدِمَائِكُمْ ثُمَّ انْطَلَقَ فَنَزَلَ عَلَى تِلْكَ الْمَرْأَةِ الَّتِي كَانَ خَطَبَهَا فَأَرْسَلَ الْقَوْمُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "كَذَبَ عَدُوُّ اللهِ" ثُمَّ أَرْسَلَ رَجُلًا فَقَالَ: "إِنْ وَجَدْتَهُ حَيًّا فَاضْرِبْ عُنُقَهُ فَإِنْ وَجَدْتَهُ مَيِّتًا فَأَحْرِقْهُ" فَوَجَدَهُ قَدْ لَدَغَتْهُ أَفْعَى فَمَاتَ فَحَرَقَهُ بِالنَّارِ. فَذٰلِكَ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ "مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ" (موضوعاتِ کبیر ملا علی قاری ص ۷)

"ابنِ عدیؒ "کامل" میں بریدۃؓ سے بیان کرتے ہیں کہ "مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر بنی لیث کا ایک ذیلی قبیلہ رہتا تھا۔ اس ذیلی قبیلہ کے کسی شخص کو ایک آدمی نے ایامِ جاہلیت میں نکاح کا پیغام دیا۔ جسے اس کے سرپرستوں نے نامنظور کر دیا تھا۔ اب وہی (ناکام) شخص ایک حُلّہ (حُلّہ نبویؐ کے مشابہ) پہن کر اس قبیلہ کے لوگوں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ حُلّہ (بطورِ نشانی) پہنایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے مالوں اور جانوں کے متعلق فیصلہ کروں" پھر وہ چل کھڑا ہوا اور اس عورت کے مکان پر پہنچا جس کے لیے اس نے نکاح کا پیغام دیا تھا۔ اب ان قبیلہ والوں نے ایک آدمی کو رسول اللہؐ کی طرف بھیجا تو آپؐ نے فرمایا: "اس اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا"، پھر آپؐ نے

ایک شخص کو بھیجا اور حکم دیا کہ "اگر اسے زندہ پاؤ تو قتل کر دینا اور اگر مُردہ پاؤ تو جلا دینا۔" اس (انصاری) شخص نے جا کر دیکھا کہ اس مفتری کو سانپ نے ڈس لیا ہے اور وُہ مر گیا ہے۔ تو اس انصاری نے اس مفتری کی میّت کو جلا دیا۔ اسی لیے آپؐ نے فرمایا تھا، "جس شخص نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا وُہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔"

اس حدیث سے مندرجہ ذیل نتائج مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ وضعِ حدیث، حجیتِ حدیث کی سب سے بڑی عقلی دلیل ہے:

اس دور میں تمام کے تمام مسلمان حجیّتِ حدیث کے قائل تھے ورنہ اس شخص کو رسول اللہؐ کے ذمہ جھوٹ باندھنے کی کیا ضرورت تھی؛ اور ہمارے خیال میں وضعِ حدیث دراصل حجیّتِ حدیث کی سب سے بڑی عقلی دلیل ہے۔ ذرا سوچیے کہ جعلی نوٹ لوگ اس لیے بناتے ہیں کہ اصلی نوٹ بازار میں قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اور جس چیز کی بازار میں کوئی قدر و قیمت نہ ہو اس میں جعل سازی کرنے یا اس کی نقل اتارنے کی کسی کو کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ اس سے ضمناً دوسرا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ جب تک موضوعات کا دور چلتا رہا، کم از کم اس وقت تک مسلم اکثریت حجیّتِ حدیث کی قائل تھی اور آج بھی اگر کوئی شخص رسول اللہؐ کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرتا ہے تو خواہ وُہ زبانی حجیتِ حدیث کا منکر ہی کیوں نہ ہو، بالواسطہ وُہ حجیتِ حدیث کا اقرار کر رہا ہوتا ہے۔

۲۔ وضعِ حدیث اور تنقیدِ حدیث لازم و ملزوم ہیں:

اس مفتری اور وضاع کی بات کو بنو لیث کے قبیلہ والوں نے تسلیم کرنے سے ابا کیا اور ہچکچاہٹ محسوس کی، چنانچہ انہوں نے اس بات کی تحقیق و تنقید کے لیے ایک آدمی رسول اللہؐ کی خدمت میں روانہ کیا۔ ان کا یہ فعل قرآنِ کریم کی درج ذیل آیت کی تعمیل تھی:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا"

"اے ایمان والو! جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔"

گویا وضعِ حدیث اور تنقیدِ حدیث کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دونوں آپس میں

لازم وملزوم ہیں۔ چنانچہ وضع حدیث کے ساتھ ہی تنقیدِ حدیث کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا اور جب وضع حدیث کا بازار گرم ہوا تو اسی نسبت سے ناقدینِ حدیث کی تنقید میں شدت پیدا ہوتی چلی گئی اور تنقید کے تمام ممکنہ طریقوں کو حسبِ ضرورت بروئے کار لایا گیا۔

۳۔ خبرِ واحد بھی حجت ہے:

اس قبیلہ کے لوگوں نے صورتِ حال کی تحقیق کے لیے صرف ایک شخص کو رسول اللہ کی خدمت میں بھیجا۔ پھر سزا دینے کے لیے رسول اللہ نے بھی صرف ایک ہی آدمی کو بھیجا جس سے معلوم ہوا کہ عام حالات اور دینی معاملات میں خبرِ واحد مکمل حجتِ شرعیہ ہے۔ دو یا اس سے زیادہ گواہوں یا گواہیوں کی ضرورت صرف فصلِ خصومات یا حدود والے جرائم کی صورت میں ہوا کرتی ہے۔

۴۔ روایتِ مذکورہ سے وحی خفی کا ثبوت:

رسول اللہ کے اس ارشاد سے کہ "اگر زندہ ہو تو اس کی گردن اڑا دینا اور مر چکا ہو تو اس کو جلا دینا"، سے یہ واضح ثبوت ملتا ہے کہ حضور اکرم پر قرآن کے علاوہ "کچھ اور" بھی وحی ہوتی تھی۔ سوچنے کی بات ہے کہ صرف دو میل کا فاصلہ طے کرنے میں آخر کتنا وقت لگتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ۔ اور اس مدت کے لیے آپ فرما رہے ہیں کہ "اگر مر چکا ہو تو اس کو جلا دینا"۔ گویا آپ کو بذریعہ وحی خفی یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس اللہ کے دشمن کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ اسی لیے تو آپ نے فرمایا تھا کہ "اگر تمہارے وہاں پہنچنے تک وہ زندہ رہے تو اسے قتل کر دینا اور مر چکا ہو تو اسے جلا دینا"

۵۔ رسول اللہ پر جھوٹ باندھنے کی سزا:

آپ پر افتراء باندھنے کی سزا محض تعزیر نہیں بلکہ حد ہے اور وہ ہے قتل یا جلا دینا۔ دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں۔ جلا دینے کی سزا اگرچہ دوسرے مواقع پر درست نہیں اور اس سے رسول اللہ نے منع بھی فرمایا ہے، تاہم افتراء علی الرسول اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی سزا التحریق فی النار ہے اور یہ غالباً "فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ" کی نسبت سے ہے اور آخرت میں سزا، جہنم تو بہر حال ہے ہی۔

گو مفتری علی الرسولؐ کو سزا دینا حکومت کا کام اور ذمہ داری ہے، تاہم اس وضاع کا تعاقب اور موضوع حدیث کا محاسبہ ہر مسلمان کا فرض ہے، کیونکہ اس کے نتائج بڑے دُور رس ہوتے ہیں۔

طلوعِ اسلام کی دیانت:

یہاں یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ اس روایت کو جناب حافظ اسلم صاحب جے راجپوری (استاذ جناب پرویز صاحب) نے "مقامِ حدیث" میں دو مقامات پر ص ۱۲۳ اور ص ۱۴۴ پر درج فرمایا ہے۔ صرف ترجمہ ہی درج کیا ہے، اصل عربی عبارت نقل نہیں کی۔ صرف ترجمہ لکھنے کا فائدہ صرف یہی نہیں ہوتا کہ مضمون نگار طوالت سے بچ جاتا ہے بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ترجمہ میں وہ "من مانی" اور حسبِ پسند ترجمہ پیش کر سکتا ہے۔ اب ایک عام قاری کے لیے یہ بات بہت مشکل ہوتی ہے کہ وہ اصل متن کی طرف رجوع کرے۔ پھر ہر قاری عربی عبارت کا ترجمہ سمجھنے یا متن اور ترجمہ کا مقابلہ کرنے کی استعداد بھی نہیں رکھتا۔ بس اسی کمزوری سے یار لوگ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ حافظ صاحب موصوف نے ترجمہ میں دو مقامات پر "تصرف" فرمایا ہے۔ ایک یہ کہ "فَارْسَلَ الْقَوْمُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ" کا ترجمہ لکھا ہے "اپنے دو آدمی تصدیق کے لیے دربارِ رسالت میں بھیجے" یہ "دو آدمی" لکھنے کی مصلحت غالباً یہ ہے کہ آپ خبرِ واحد کو مردود قرار دینے کی ایک وجہ یہ بھی پیش کیا کرتے ہیں کہ سند ایک شہادت ہے اور وہ کم از کم دو آدمیوں کی ہونی چاہیے[۱]۔ اور دوسرے یہ کہ روایت کے ان الفاظ "اِنْ وَجَدْتَهٗ حَيًّا فَاضْرِبْ عُنُقَهٗ وَاِنْ وَجَدْتَهٗ مَيِّتًا فَاَحْرِقْهُ" کا ترجمہ فرمایا ہے "جا کر اس کو قتل کر کے جلا دو" اس تبدیلی میں یہ مصلحت ہے کہ اگر صحیح ترجمہ پیش کیا جاتا تو اس سے وحی خفی کا ثبوت ملتا تھا۔ لہٰذا ترجمہ میں یہ مختصر سی تبدیلی کر لی۔ یہ ایک مثال "مشتے نمونہ از خروارے" آپ نے ملاحظہ فرما لی۔ اگر آپ غور فرمائیں تو دیکھیں گے کہ ادارہ مذکور کی اکثر تحریروں کا یہی حال ہوتا ہے اور اس طرح ناواقف یا کم علم حضرات

---

[۱] اس موضوع پر تفصیلی بحث اپنے مقام پر ہو گی۔

کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اس واقعہ اور اس پر رسول اللہ کی مجوزہ سزا کا یہ اثر ہوا کہ صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ روایت بیان کرنے میں پہلے سے بھی زیادہ محتاط ہو گئے اور بلا تکلف حدیث بیان کرنے سے صحابہؓ کو منع بھی فرماتے رہے۔ اسی احتیاط کا نتیجہ تھا کہ ایک عرصہ دراز کے لیے فتنہ وضع حدیث فرو ہو گیا۔

موضوع احادیث کی ابتداء:

تقریباً ۲۰ سال بعد، یعنی دورِ عثمانی کے اواخر میں دوبارہ اس فتنہ کے احیاء کا سراغ ملتا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ دورِ نبوی میں یہ واقعہ انفرادی سطح پر وقوع پذیر ہوا تھا مگر اب کی بار یہ فتنہ اجتماعی شکل میں نمودار ہوا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی یمنی ایک نہایت ذہین فطین آدمی تھا۔ اس نے جب یہ معلوم کر لیا کہ اس وقت کوئی طاقت مسلمانوں کو کھلے میدان میں شکست نہیں دے سکتی جبکہ اسلام اور مسلمانوں سے انتقام کا جذبہ اس کی رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا، لہٰذا اس نے در پردہ ایک تدبیر اختیار کی۔ اس نے اسلام قبول کر لیا پھر ایک نہایت متدین، پرہیز گار اور درویش بن کر سامنے آیا اور مسلمانوں میں انتشار ڈالنے کی غرض سے کچھ نئے نئے عقائد وضع کیے اور اس تحریک کو بپا کرنے کے لیے اس نے ان کم بخت اور غیر تربیت یافتہ نو مسلموں کا انتخاب کیا جو اسلام کے اصل مرکز مدینہ سے دُور مثلاً کوفہ، بصرہ، مصر اور شام کی فوجی چھاؤنیوں میں مقیم تھے اور اسلام لانے کے فوراً بعد، جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے فوج میں بھرتی ہو گئے تھے۔ ان میں سے بعض نو مسلموں کا یہ حال تھا کہ انہیں قرآن کی ایک آیت بھی زبانی یاد نہ تھی، نہ ہی ان میں اسلامی عقائد کچھ راسخ ہوئے تھے۔ فی الواقعہ ایسے ہی لوگ عبداللہ بن سبا کی تحریک کے لیے سازگار ہو سکتے تھے۔ کیونکہ اس کی تحریک کا اصل مقصد مسلمانوں میں انتشار پیدا کر کے ان کی سیاسی طاقت کو کمزور بنا دینا تھا اس کے مخترعہ عقائد کا مرکزی نقطہ مسلمانوں میں نسلی تعصبات کو بھڑکانا اور اس راستہ سے حضرت علیؓ کو رسول اللہ کا جائز حقدارِ خلافت اور دُوسرے خلفاءؓ کو غاصب ثابت کرنا تھا۔ اس کی پیہم کوششوں، مختلف مذکورہ مراکز میں دوروں

اور خفیہ خط و کتابت کے ذریعہ وہ اپنی اس تحریک میں بہت حد تک کامیاب ہوا۔ اسی تحریک کے نتیجہ میں شہادتِ عثمانؓ کا دردناک واقعہ وقوع پذیر ہوا اور جن نو مسلموں نے عبداللہ بن سبا کا ساتھ دیا، وہ شیعانِ علی کہلاتے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی شہادت سے پیشتر انہی مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا تھا:

"اگر تم اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے تو یاد رکھو کہ امتِ مسلمہ ایسے تشتّت و انتشار کا شکار ہو گی کہ تاقیامت وہ متحد نہ ہو سکے گی۔"

حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے۔ ان کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور یہی کچھ اس نو مسلم یہودی کی اس تحریک کا مقصد تھا۔

عبداللہ بن سبا اور اس کے پیروؤں کو نو مسلموں میں اپنے عقائد کو شائع کرنے کی بہترین صورت جو نظر آئی وہ یہی "وضع حدیث" کا حربہ تھا۔ چنانچہ اس طبقہ نے اس حربے کو وسیع پیمانے پر استعمال کیا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اسی مفسد اور غنڈہ عنصر نے حضرت علیؓ کو خلیفہ منتخب کیا اور قصاص کے انتقام سے بچنے کی خاطر امت کو مسلسل جنگوں سے دوچار کر دیا۔ اب یہ لوگ شیعانِ علی نہیں بلکہ محض شیعہ کہلاتے تھے۔ جنگِ جمل اور جنگِ صفین انہی کی رخنہ اندازیوں سے وقوع پذیر ہوئیں۔ جن میں کم و بیش سوا لاکھ کے قریب مسلمان کام آئے۔ جنگِ صفین کے نتیجہ میں کچھ لوگوں نے حضرت علیؓ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ یہ لوگ خارجی یا خوارج کہلائے۔ جو اگرچہ انہی شیعانِ علیؓ سے پیدا ہوتے تھے لیکن انہوں نے بالکل مخالف سمت اختیار کی۔ شیعہ تو حضرت علیؓ کی تعریف و توصیف میں حد سے بڑھ گئے تھے، کچھ انہیں وصی رسول اللہ ﷺ کہتے تھے تو کچھ حضرت علیؓ کو خدا ہی[1] سمجھتے تھے اور خوارج کا یہ حال تھا کہ وہ ہر طرح سے حضرت علیؓ کی تنقیص کرتے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے حضرت علیؓ پر کفر کا فتوےٰ بھی لگا دیا۔ اس فرقہ نے بھی اپنے مخصوص عقائد کی اشاعت کے لیے وہی وضع حدیث کا حربہ اختیار کیا۔ اس

---

[1] عبداللہ بن سبا خود بھی حضرت علیؓ کو خدا ہی کہتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کوفہ میں آ کر اس نے حضرت علیؓ کے منہ پر بھی یہ بات کہہ دی تھی۔ حضرت علیؓ نے سخت سرزنش کی۔

دو طرفہ کارروائی سے وضع حدیث کا بازار خوب گرم ہو گیا۔ فرق صرف یہ رہا کہ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں صرف سبائیوں کی موضوع احادیث مشتہر ہوئیں اور خوارج کی احادیث آپؓ کی وفات کے بعد۔

وضع احادیث کا سدِّ باب

احادیث کے متعلق یہ خدمت کہ کوئی غلط بات رسول اللہؐ کی طرف منسوب نہ ہونے پائے، ایسی بات ہے جس کی نگرانی کے ذمہ دار تمام مسلمان ٹھہرائے گئے ہیں۔ اجتماعی سطح پر بھی اور انفرادی سطح پر بھی۔ اس خدمت کا تعلق جیسے حکومت سے ہے، ویسے ہی انفرادی طور پر بھی ہے۔ پھر یہ خدمت کسی زمانہ کے ساتھ مختص بھی نہیں۔ اس نگرانی کی ضرورت جیسے قرنِ اول میں تھی ویسے ہی آج بھی ہے اور یہ ضرورت قیامت تک باقی رہے گی۔

حضرت علیؓ کے زمانہ تک خلافت علیٰ منہاج نبوت قائم تھی۔ لہٰذا اس نگرانی کی بیشتر ذمہ داری حضرت علیؓ پر ہی عائد ہوتی تھی۔ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آپؓ نے اس فتنہ کے سدِّ باب کے لیے کیا کچھ اقدامات کیے۔ احادیث اور تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ نے اس سلسلہ میں حسب ذیل چار طریقے اختیار کیے تھے:

۱۔ تحریق فی النار:

حضرت علیؓ نے بھی ان لوگوں کے لیے وہی سزا تجویز کی جو رسول اللہؐ نے پہلے وضاع کو دی تھی۔ یعنی ایسے لوگوں کو آگ میں جلا دیا جائے۔ تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ ایک دفعہ یہ لوگ بازار میں کھڑے ہو کر علی الاعلان اپنے نظریات کا پرچار کر رہے تھے۔ حضرت علیؓ کے غلام قنبر نے بھی یہ باتیں سنیں تو جا کر حضرت علیؓ کو اطلاع دی کہ کچھ لوگ آپ کو خدا کہہ رہے ہیں اور آپ میں خدا کی صفات مانتے ہیں۔ آپؓ نے ان لوگوں کو بلایا۔ یہ قوم زُطّ کے تقریباً ستر اشخاص تھے۔ آپؓ نے ان سے پوچھا، "تم کیا کہتے ہو؟" وہ کہنے لگے کہ "آپ ہمارے رب ہیں اور خالق اور رازق ہیں۔" آپؓ نے فرمایا، "تم پر افسوس ہے۔ میں تم جیسا ہی ایک بندہ ہوں، تمہاری طرح ہی کھاتا اور پیتا ہوں۔ اگر اللہ کی اطاعت کروں گا تو مجھے اجر دے گا اور اگر اس کی

نافرمانی کروں گا تو مجھے سزا دے گا۔ لہٰذا تم خدا سے ڈرو اور اس عقیدے کو چھوڑ دو۔"

لیکن ان لوگوں پر خود حضرت علیؓ کی اس ہدایت کا کچھ اثر نہ ہوا، کیوں کہ ان کا مقصد طلب ہدایت تو تھا ہی نہیں، وُہ تو امت میں انتشار برپا کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا اپنے عزائم سے باز نہ آئے۔ دوسرے روز قنبر نے پھر حضرت علیؓ کو بتلایا کہ وُہ لوگ تو وہی کچھ کر رہے ہیں۔ آپؓ نے دوبارہ انہیں بلایا اور پھر تنبیہ اور سرزنش کی، لیکن پھر بھی یہ لوگ باز نہ آئے۔ تیسرے دن آپؓ نے ان کو بلا کر یہ دھمکی دی کہ اگر اب کے بھی تم باز نہ آئے تو میں تمہیں بدترین طریقہ سے سزا دوں گا۔ لیکن یہ لوگ پھر بھی باز نہ آئے۔ پھر آپؓ نے یُوں کیا کہ ایک گڑھا کھدوایا اور اس میں آگ جلائی اور اُن سے کہا کہ "دیکھو، اب بھی باز آجاؤ ورنہ تمہیں اس گڑھے میں پھینک دوں گا۔" مگر یہ لوگ تو اپنی تخریبی کارروائیوں پر تلے بیٹھے تھے۔ زبان سے حضرت علیؓ کو خدا کہنے والے خود ان کے منہ پر ان کی نافرمانی کر رہے تھے۔ لہٰذا حضرت علیؓ کے حکم سے آگ کے گڑھے میں پھینک دیے گئے۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۳۸)

امام بخاریؒ نے یہ حدیث مختصراً صحیح بخاری میں درج فرمائی ہے اور ان سبائیوں کے لیے "زنادقہ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

"عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ أُتِيَ عَلِيٌّ بِزَنَادِقَةٍ فَأَحْرَقَهُمْ فَبَلَغَ ذٰلِكَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ أَنَا لَمْ أُحْرِقْهُمْ لِنَهْيِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللّٰهِ وَلَقَتَلْتُهُمْ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ۔" (صحیح بخاری باب حکم المرتد)

"عکرمہؒ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس کچھ زندیق لائے گئے تو آپؓ نے اُن کو جلا دیا۔ پس جب یہ خبر ابن عباسؓ کو پہنچی تو کہنے لگے کہ اگر آپ کی جگہ میں حاکم ہوتا تو میں انہیں جلانے کی بجائے قتل کرتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، "جو کوئی اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کر دو۔"

اس حدیث سے درج ذیل باتوں کا پتہ چلتا ہے:

(ا) دین کی تبدیلی کا مفہوم صرف یہ نہیں کہ کوئی شخص اسلام کو چھوڑ کر عیسائی یا یہودی یا ہندو ہو جائے بلکہ مسلمان کہلوا کر اور مسلمانوں میں شامل رہ کر اس کے بنیادی عقائد کی جڑیں کاٹنے والا شخص بھی اس حکم میں داخل ہے۔

(ب) ایسے لوگوں کو قرنِ اول میں زندیق بھی کہا جاتا تھا اور مرتد بھی۔ جن مرتدین سے حضرت ابو بکرؓ نے جہاد کیا، وہ مسلمان ہی کہلواتے تھے۔ البتہ انھوں نے عقائد میں تخریب و تحریف کے بجائے اسلام کے ایک بنیادی حکم کے تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا۔ یہ لوگ زکوٰۃ کو اسلام کا رکن تسلیم نہیں کرتے تھے۔

(ج) ایسے لوگوں کے لیے رسول اللہؐ نے دونوں قسم کی سزا تجویز فرمائی تھی۔ پھر یہ سبائی چونکہ وضع حدیث کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے کبیرہ جرائم کے مرتکب تھے۔ لہٰذا ہمارے خیال میں اس مسئلہ میں حضرت علیؓ کا اجتہاد اور فیصلہ موزوں تر تھا۔

لیکن اس واقعہ "تحریق فی النار" کے بعد بھی اس تخریبی تحریک کا مکمل طور پر استیصال نہ ہوا۔ اس تحریک کے ادھر اُدھر بکھرے ہوئے جو لوگ بچ رہے تھے وہ اپنے عقائد اور عزائم میں اور بھی سخت ہو گئے اور اپنے اس عقیدہ کی تائید میں وہ رسول اللہ ہی کے ایک ارشاد سے استشہاد کرنے لگے۔ وہ کہتے تھے کہ آگ اور پانی کا عذاب چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے اور حضرت علیؓ نے بھی ہم لوگوں کو یہی سزا دی ہے اور جلایا ہے لہٰذا وہ عین خدا ہیں۔ وہ زبان سے یہ کہتے تھے "لَا یُعَذِّبُ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ" یعنی "آگ کا خدا ہی آگ سے عذاب دینے کا حقدار ہے" غور کیجیے کہ عقل کج رو جب کسی غلط بات کو درست ثابت کرنے کے درپے ہو جاتی ہے تو کہاں کہاں سے اور کیسے کیسے دلائل تلاش کر لیتی ہے ؛ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ دعا سکھلائی ہے :

"رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا" (آل عمران ۸)

"اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کیجیو"

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ایسی کجروی سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین!

۲۔ سبائیوں کی تکذیب : اس سبائی فرقہ کے لوگ جو کوئی موضوع حدیث بناتے

تو اسے بالعموم حضرت علیؓ سے منسوب کر دیا کرتے تھے۔ یہ لوگ جہاں حضرت علیؓ کی تعریف و توصیف میں غلو سے کام لیتے تھے۔ وہاں پہلے خلفاء، بالخصوص حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی تنقیص اور غصب سے متعلق بھی انہوں نے بہت سی احادیث گھڑ کر مشہور کر دی تھیں۔ حضرت علیؓ نے واشگاف لفظوں میں برسرِ منبر ان سب باتوں سے اپنی برأت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

"مَالِیْ وَلِہٰذَا الْخَبِیْثِ الْاَسْوَدِ مَعَاذَ اللّٰہِ اَنْ اَقُوْلَ لَہُمَا اِلَّا الْحَسَنَ الْجَمِیْلَ ثُمَّ نَہَضَ عَلَی الْمِنْبَرِ حَتّٰی اجْتَمَعَ النَّاسُ فَذَکَرَ الْقِصَّۃَ فِی الْمَدْحِ عَلَیْہِمَا بِطُوْلِہٖ"

"مجھے اس کالے آدمی سے کیا سروکار؟ اللہ کی پناہ کہ میں ان دونوں (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے متعلق اچھی بات کے علاوہ کچھ اور کہوں۔ پھر آپؓ منبر پر تشریف لے گئے اور لوگ اکٹھے ہوئے۔ پھر آپؓ نے ان دونوں حضرات کی مدح و توصیف میں بہت لمبی چوڑی گفتگو کی"۔

(لسان المیزان ج ۳ ص ۲۹۰ بحوالہ تدوین حدیث از مناظر احسن گیلانی مطبوعہ برہان دہلی اگست ۱۵ء، ص ۷۸)

ظاہر ہے کہ آپؓ کی طرف منسوب کر کے جو جھوٹی حدیثیں اور اقوال مسلمانوں میں پھیلائے جاتے تھے، ان کے علاج کی موزوں ترین صورت یہی ہو سکتی ہے کہ آپؓ علی الاعلان ایسی روایتوں سے برأت کا اظہار کر دیں۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جماعت کے ایک بزرگ ایک دن عبداللہ بن سبا کو پکڑے ہوئے کوفہ کی جامع مسجد میں منبر کے پاس تشریف لائے اور اس کی طرف اشارہ کر کے اعلان کیا کہ:

"یَکْذِبُ عَلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ" (لسان المیزان ص ۲۸۹ بحوالہ رسالہ مذکور ص ۷۰)

"یہ (یعنی عبداللہ بن سبا) خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف جھوٹی باتیں بنا کر منسوب کرتا ہے"

۳- اشاعتِ احادیثِ صحیحہ: اس فتنہ کے سدِباب کے لیے تیسری تدبیر

آپ نے اختیار کی کہ صحیح احادیث جو آپؓ کو معلوم تھیں، ان کی عام نشر و اشاعت کر دی جائے تاکہ صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں غلط اور جھوٹی حدیثوں کا امتیاز تمام لوگ از خود کر سکیں۔ پہلے تمام صحابہؓ احادیث کی عام نشر و اشاعت سے گریز کرتے رہے جو ایک احتیاطی تدبیر تھی کہ اگر لوگوں میں احادیث کی نشر و اشاعت کا عام چرچا شروع ہو جائے تو سچ میں جھوٹ کے مل جانے کا خطرہ تھا۔ اسی احتیاط اور اسی خطرہ نے بالخصوص خلفاء کو۔ کہ اس حدیث کی نگرانی کے کام میں ان کی ذمہ داریاں عام مسلمانوں سے بہت زیادہ تھیں۔ اس معاملہ میں انتہائی محتاط بنا دیا تھا اور اب جب ان سبائیوں نے جھوٹی احادیث بنا کر انہیں عوام میں پھیلا ہی دیا تو حضرت علیؓ نے یہی مناسب سمجھا کہ اب ان کے مقابلہ میں صحیح احادیث کی نشر و اشاعت لابدی ہو گئی ہے۔ وہی حضرت علیؓ جو اپنی لکھی ہوئی احادیث کو اپنی تلوار کے نیام میں چھپائے رکھتے تھے اور لوگوں کے مطالبہ پر بھی وہ نکال کر دکھلانے کی بجائے زبانی یہ بتلا دینے پر اکتفاء کرتے تھے کہ اس میں کچھ زکوٰۃ کے احکام ہیں یا کچھ دیت کے اور کچھ فرائض کے۔ انہی کے متعلق ہمیں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ:

"اَنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ: مَنْ یَّشْتَرِیْ عِلْمًا بِدِرْهَمٍ فَاشْتَرَی الْحَارِثُ الْاَعْوَرُ صُحُفًا بِدِرْهَمٍ ثُمَّ جَاءَ بِهَا عَلِیًّا فَكَتَبَ لَهٗ عِلْمًا كَثِیْرًا" (طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۱۶، بحوالہ رسالہ مذکور جون ۵۱ء ص ۳۲۶)

"حضرت علیؓ نے لوگوں کو (کوفہ میں) خطبہ دیا اور کہا: "کون ایک درہم میں علم[1] خریدنا چاہتا ہے؟" حارث اعور ایک درہم کے کچھ کاغذ خرید کر لائے اور حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؓ نے ان کاغذوں پر بہت سا علم لکھ دیا۔"

صرف یہی نہیں کہ جو شخص بھی کاغذ لاتا آپؓ اس پر اسے "علم" لکھ دیتے تھے بلکہ

---

[1] اس زمانہ کی اصطلاح ہی یہ تھی کہ لفظ "علم" کا اطلاق زیادہ تر رسول اللہ کی حدیثوں پر کیا جاتا تھا۔

آپؓ کا اعلانِ عام تھا کہ جو کوئی مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہے پوچھے۔ میں اسے بتلاؤں گا۔ مصلح عامری کہتے ہیں کہ آپؓ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

"یَا اَخَا بَنِیْ عَامِرٍ سَلْنِیْ عَمَّا قَالَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ فَاَنَا اَھْلُ الْبَیْتِ اَعْلَمُ بِمَا قَالَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ"

(طبقات ج ۶ ص ۲۶۷ بحوالہ رسالہ مذکور ص ۱۴۳)

"اے قبیلہ بنی عامر کے بھائی! مجھ سے ان امور سے متعلق پوچھو جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے فرماتے ہیں۔ کیونکہ میں گھر کے لوگوں سے ہوں اور اللہ اور رسولؐ کی باتوں کو زیادہ جانتا ہوں"

ان سبائیوں کے ظہور سے پہلے حضرت علیؓ کی یہ روش، کہ تحریر شدہ علم لوگوں کو دکھانا بھی نہ چاہتے تھے، اور اب یہ حالت ہے کہ ہر ایک سے کہتے ہیں کہ مجھ سے پوچھو اور ایک درہم میں مجھ سے لے لو۔ اس کی وجہ بھی انہوں نے خود اپنے الفاظ میں یہ بیان فرمائی کہ:

"قَاتَلَہُمُ اللّٰہُ اَیُّ عِصَابَۃٍ بَیْضَاءَ سَوَّدُوْا وَاَیُّ حَدِیْثٍ مِّنْ حَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْسَدُوْا" (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۲ بحوالہ رسالہ مذکور ص ۱۴۳)

"خدا ان سبائیوں کو تباہ کرے کتنی روشن جماعت (امتِ مسلمہ) کو انہوں نے سیاہ کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی ہی حدیثوں کو انہوں نے بگاڑ دیا۔"

چنانچہ پچاس سے زیادہ آدمیوں نے آپؓ سے ان کی حدیث کو روایت کیا ہے۔

(تہذیب ج ۷، ص ۳۷۵)

۴۔ تنقیدِ حدیث کا معیار:

چوتھا اقدام حضرت علیؓ نے یہ کیا کہ موضوع احادیث کو جانچنے کے لیے ایک ایسا معیار پیش کیا جسے بعد میں آنے والے تمام محدثین نے اصول کے طور پر اپنایا اور وہ یہ ہے:

"کُلُّ حَدِیْثٍ یُّخَالِفُ الْعُقُوْلَ اَوْ یُنَاقِضُ الْاُصُوْلَ فَاعْلَمْ

أَنَّهُ مَوْضُوعٌ" (رسالہ مذکور ستمبر ۸۱ء ص ۱۳۷)

"ہر وہ حدیث جسے تم عقل اور اصولِ دین کے خلاف دیکھو تو جان لو کہ وہ موضوع ہے"

اسی معیار کی مزید تشریح ان الفاظ میں کی گئی کہ:

"أَوْ يَكُوْنُ مِمَّا يَدْفَعُ الْحِسُّ وَالْمُشَاهَدَةُ أَوْ مُبَايِنًا لِبَعْضِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ الْمُتَوَاتِرَةِ أَوِ الْإِجْمَاعِ الْقَطْعِيِّ حَيْثُ لَا يَقْبَلُ مِنْ ذٰلِكَ التَّاوِيْلَ"

(فتح الملہم شرح مسلم للعثمانی ص ۱۶)

"یا حدیث ایسی ہو کہ حواس اور مشاہدہ اسے مسترد کر دے۔ یا اللہ کی کتاب اور احادیث متواترہ یا قطعی اجماع کے مخالف ہو، خصوصاً جب کہ اس حدیث میں کسی تاویل کی گنجائش بھی نہ ہو"

ساتھ ہی ساتھ آپؓ لوگوں کو یہ ہدایت بھی فرمایا کرتے تھے:

"حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ دَعُوْا مَا يُنْكِرُوْنَ" (تذکرہ ص ۱۲)

"لوگوں سے صرف ایسی حدیث بیان کرو جس سے وہ متعارف ہوں، نہ ایسی کہ جن سے وہ آشنا ہی نہ ہوں"

خلافتِ راشدہ کے بعد:

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے سامنے بیشتر یہی سبائی فرقہ تھا اور انہی کے بپا کیے ہوئے فتنہ سے متعلق آپؓ نے چند در چند اقدامات کیے۔ آپؓ کی وفات کے بعد خوارج کی طرف سے بھی موضوع احادیث کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ وضع احادیث کا اصل مرکز دراصل کوفہ اور بصرہ ہی تھا۔ جیسا کہ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان (۶۵ھ تا ۸۵ھ) نے اس کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا:

"قَدْ سَالَتْ عَلَيْنَا أَحَادِيْثُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ وَلَا نَعْرِفُهَا" (طبقات ابن سعد ص ۱۷۳)

"مشرق (عراق، جس میں کوفہ بصرہ وغیرہ تھے) سے حدیثوں کا ایسا سیلاب بہ کر ہماری طرف آ گیا ہے، جنھیں ہم نہیں پہچانتے!"

یہ اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان اپنی اوائل عمر کا بیشتر حصہ طلبِ علمِ حدیث میں صرف کر چکا تھا اور ممتاز طلبہ میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اس نے ان موضوع احادیث کے متعلق یہ تبصرہ بحیثیت ناقدِ حدیث کیا تھا۔ لطف کی بات یہ تھی کہ صرف سبائی اور خوارج ہی نے اس "کارِ خیر" میں حصہ نہیں لیا بلکہ اور بھی کئی طرح کے لوگ مثلاً واعظ یا سیاست سے وابستہ افراد نے موضوعات کا سہارا لینا شروع کر دیا اور اس میدان میں اتر آئے۔ پھر کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہوئے جنہوں نے صحیح احادیث کا انکار شروع کر دیا یا پھر ان کی تاویلات ڈھونڈھنے لگے۔ بالخصوص معتزلین اور جہمیہ اس میں پیش پیش تھے۔ جو بظاہر "حسبنا کتاب اللہ" کا نعرہ لگاتے تھے۔ گویا عراق کی سرزمین تمام فتنوں کے لیے بہت زرخیز ثابت ہو رہی تھی اور اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی بھی فرمائی تھی جیسا کہ بخاری میں مذکور ہے کہ:

"یسیر بن عمرو کہتے ہیں کہ میں نے سہل بن حنیف سے پوچھا: کیا آپ نے خوارج کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ کہتے سنا ہے؟" سہل بن حنیف نے کہا، "یوں آپ نے اپنے ہاتھ سے عراق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"يَخْرُجُ مِنْهُ قَوْمٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ"

"اس ملک سے کچھ ایسے لوگ نکلیں گے جو قرآن تو پڑھیں گے لیکن قرآن ان کی ہنسلیوں سے نیچے نہیں اترے گا (یعنی قرآن کا کچھ اثر قبول نہ کریں گے) یہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے جانور کے پار نکل جاتا ہے۔" (بخاری باب من ترك الخوارج)

خلافتِ راشدہ کے بعد امت میں پہلی سی مرکزیت باقی نہ رہ گئی تھی۔ نہ ہی شوریٰ کا وجود باقی تھا اور بحیثیت فتنہ اس کا سدِ باب حکومتی اور انفرادی دونوں محاذ پر لازمی تھا۔ لہٰذا اس لامرکزیت کے باوجود دونوں طبقوں نے اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کیا جس کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

حکومت کی طرف سے وضّاعینِ حدیث کو سزائے پھانسی یا قتل،

یہی عبدالملک بن مروان جس نے کہا تھا کہ، مشرق کی طرف سے موضوع احادیث کا سیلاب بہ کر ہماری طرف آرہا ہے، اس نے مشہور وضّاع حارث بن سعید الکذّاب کو اسی جرم میں تختہ دار پر کھینچا۔ کیونکہ عبدالملک اپنے آپ کو محض بادشاہ ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے دین کا محافظ بھی سمجھتا تھا۔ اسی عبدالملک کے بیٹے ہشام نے غیلان دمشقی کو قتل کیا، جس کا جرم یہ تھا کہ پیغمبرؐ اسلام کے دین میں رخنہ اندازیاں کرتا تھا اور موضوع حدیثیں بنا کر عوام میں پھیلاتا تھا۔

ابو جعفر منصور عباسی (۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ) نے اسی وضع حدیث کے جرم میں محمد بن سعید مصلوب کو سولی دی۔ مہدی، رشید، مامون وغیرہ عباسی خلفاء کے عہد میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس باب میں سب کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں کہ پیغمبرؐ کی طرف کوئی غلط بات منسوب ہو کر پھیل نہ جائے اور اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ عدالتوں میں شریعتِ اسلامیہ کے مطابق فیصلے ہوتے تھے اور یہ کیونکر ممکن تھا کہ ان وضعی احادیث کی بناء پر اگر انسانوں کے حقوق تہ و بالا ہوتے نظر آرہے ہوں اور وہ خاموشی سے برداشت کر لیے جائیں بلکہ تاریخ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان بادشاہوں کے ولاۃ اور حکام بھی اس مسئلہ میں کسی رُو رعایت کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ بنی امیہ کے مشہور گورنر خالد بن عبداللہ القسری نے ایک شخص کو اسی وضع حدیث کے جرم میں قتل کیا تھا۔ اسی طرح عباسیوں کی طرف سے بصرہ میں، محمد بن سلیمان جب حاکم تھا، تو اس نے مشہور وضّاع عبدالکریم بن ابی العرجاء کو اسی وضع حدیث کے جرم میں قتل کیا اور عدالتوں کے قاضی تو اس معاملہ میں اور بھی زیادہ چوکنے رہتے تھے۔ اگر انہیں ذرا بھی شک پڑ جاتا کہ فلاں شخص حدیث صحیح نہیں بیان کر رہا تو اس کی خوب خبر لیتے تھے۔ قاضی اسمٰعیل بن اسحاق نے ہیثم بن سہل کو محض اس وجہ سے پٹوایا کہ ایسی روایات بیان کرنے لگا تھا جنھیں قاضی اسماعیل صحیح نہیں سمجھتے تھے [1]

ان سلاطین کی سیاسی مصلحتیں اپنے مقام پر الگ۔ اور یہ ممکن ہے کہ اس سلسلہ

---

[1] تدوینِ حدیث مناظر احسن گیلانی۔ برہان دہلی دسمبر ۱۹۴۸ء۔ ص ۳۵۲، ۳۵۳

ہیں انہوں نے بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ وضع حدیث کا سہارا لیا ہو۔ لیکن جہاں تک لوگوں کے آپس میں حقوق و فرائض اور نیز اعتقادات و عبادات کا تعلق ہے۔ اس میں وہ کسی قسم کی رخنہ اندازی برداشت نہیں کرتے تھے اور اس کی دو وجوہ تھیں۔ ایک تو عدالتوں میں شرعی قانون رائج تھا اور دوسرے وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کے جان و مال کا ہی نہیں، دین کا بھی محافظ سمجھتے تھے۔

ناقدین اور محدثین کی طرف سے وضع حدیث کا دفاع:

جس طرح زنادقہ کی سزا کے سلسلہ میں ابن عباس رضؓ کا اجتہاد حضرت علی رضؓ سے الگ تھا۔ اسی طرح ان کا وضع حدیث کے سدِ باب کا نظریہ بھی حضرت علی رضؓ سے مختلف تھا۔ حضرت علی رضؓ نے تو اس کا ایک حل یہ تجویز کیا تھا کہ صحیح احادیث کی بکثرت اشاعت کی جائے۔ لیکن حضرت ابنِ عباس رضؓ نے اس مسئلہ میں اس کا یہ حل تجویز کیا کہ صحیح احادیث سے بھی سکوت اختیار کیا جائے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر ہم صحیح احادیث بھی بیان کریں گے تو عوام ہمارا سہارا لے کر صحیح اور موضوع سب کچھ بیان کرنے لگیں گے، چنانچہ امام مسلمؒ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں ایک واقعہ درج کیا ہے کہ بشیر بن کعب العدوی ایک دن ابن عباسؓ کی خدمت میں آئے اور حدیثیں بیان کرنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ ابن عباسؓ ان حدیثوں کو خاص توجہ سے سنیں گے لیکن ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب دیکھا کہ ابن عباسؓ ان کی طرف قطعاً توجہ نہیں فرما رہے۔ بشیر بن کعب نے گھبرا کر پوچھا، "حضرت کیا معاملہ ہے؟ میں آپ کو رسول اللہ کی حدیثیں سنا رہا ہوں اور آپ ایسی بے التفاتی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ تو جواباً حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا:

"إِنَّا كُنَّا مَرَّةً إِذَا سَمِعْنَا رَجُلًا يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْتَدَرَتْهُ أَبْصَارُنَا وَأَصْغَيْنَا إِلَيْهِ بِآذَانِنَا" (مقدمة صحيح مسلم)

"ایک وقت ہم پر ایسا بھی گزرا ہے کہ جب کوئی یوں کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا تو ہماری نگاہیں بے اختیار اس کی طرف اٹھ جاتیں اور ہم اپنے کانوں کو اس کی طرف جھکا دیتے۔"

پھر آپ رضؓ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ:

"إنَّا كُنَّا نُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَمْ يَكُنْ يُكْذَبُ إِلَيْهِ فَأَمَّا إِذَا رَكِبَ النَّاسُ الصَّعْبَ وَالذَّلُوْلَ تَرَكْنَا الْحَدِيْثَ ۔" (حوالہ ایضاً)

"ہم اس وقت رسول اللہؐ سے احادیث بیان کرتے تھے جب آپؐ کی طرف جھوٹ منسوب نہیں کیا جاتا تھا (یعنی وضعی احادیث کا وجود نہ تھا) پھر جب لوگوں نے ہر بلندی و پستی پر سوار ہونا شروع کر دیا (یعنی احادیث میں رطب و یابس سب کچھ ملا دیا) تو ہم نے حدیث بیان کرنا چھوڑ دیا۔"

یہ ابن عباسؓ جنھوں نے ان حالات میں سکوت کو مناسب سمجھا پتہ ہے کون ہیں؟ وہی جو ایک مدت تک مکہ میں حدیث کی تدریس کی خدمت سر انجام دیتے رہے (تاریخ اہلحدیث ص ۷۴) اور جو ۲۶۶۰ احادیث کے راوی ہیں اور مکثرین میں شمار ہوتے ہیں۔ پھر جب یہ وضعی احادیث کا سیلاب آیا تو آپؓ کہا کرتے تھے:

"لَمْ نَاْخُذْ مِنَ النَّاسِ إِلَّا مَا نَعْرِفُ" (حوالہ ایضاً)

"اب ہم صرف ان حدیثوں کو قبول کرتے ہیں جنھیں ہم پہچانتے ہیں۔"

گویا اس طرزِ عمل میں ابن عباسؓ یکتا نہ تھے بلکہ ایسے محتاط صحابہؓ کی ایک جماعت آپؓ کی ہم خیال ہو گئی تھی جیسا کہ لفظ "إِنَّا كُنَّا" سے ظاہر ہے اور یہ لوگ دوسروں سے برملا کہنے لگے تھے کہ:

"لَا تُحَدِّثُوْنَا إِلَّا بِالْقُرْآنِ۔"

"قرآن کے سوا ہم سے کچھ اور بیان نہ کرو۔"

لیکن حالات نے بتلا دیا کہ وضعی احادیث کے سدِ باب کے لیے یہ بھی کوئی کامیاب حل نہ تھا۔ کیونکہ قرآن کے بیشتر احکام کی تفصیل احادیث سے ہی ملتی تھی۔ چنانچہ حضرت عمران بن حصینؓ کو جب ان حالات کی خبر ہوئی تو آپؓ نے ان لوگوں کو جنھوں نے ارادہ کیا تھا کہ آئندہ ہم نہ کسی سے کوئی حدیث سنیں گے اور نہ ہی سنی ہوئی حدیثوں کو قبول کریں گے، متنبہ کرتے ہوئے گرجدار آواز میں فرمایا:

"خُذُوْا عَنَّا فَإِنَّكُمْ وَاللهِ إِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا لَتَضِلُّنَّ ـ" (کفایہ ص ۱۵)

بحوالہ برہان اگست ۱۹۵ء ص ۷۶)

"ہم لوگوں (یعنی رسول اللہ کے صحابیوں) سے احادیث کو حاصل کرو۔ خدا کی قسم اگر تم ایسا نہ کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔"

گویا احادیث کو اخذ کرنے کا معیار یہ قائم ہوا کہ یہ صرف رسول اللہ کے فیض یافتہ صحابیوں سے ہی قبول کی جائے۔ پہلا معیار جو حضرت علی رضؓ نے قائم کیا تھا وہ درایت سے متعلق تھا۔ اب یہ دوسرا معیار روایت کی بنیاد کے طور پر سامنے آیا۔ اور اس طرح دورِ صحابہ رضی میں ہی موضوع احادیث کی جانچ پڑتال اور ان سے بچاؤ کی حفاظت کے لیے روایت و درایت کی بنیاد رکھ دی گئی۔ (جاری ہے)

شعر و ادب — جناب راسخ عرفانی

حدیثِ ختمِ رسلؐ

کلامِ حق کی وضاحت حدیثِ ختمِ رسلؐ!
چراغِ راہِ شریعت حدیثِ ختمِ رسلؐ!

حسین طرزِ تکلم، دھنک دھنک جملے
عروجِ رنگِ فصاحت حدیثِ ختمِ رسلؐ!

حبیبِ ربِّ جہاں کا کلامِ جاں پرور
زبانِ پاک کی نکہت حدیثِ ختمِ رسلؐ!

ہجومِ دولت و زر میں قناعتوں کا بھرم
حروفِ فقر کی عظمت حدیثِ ختمِ رسلؐ!

عداوتوں کے خدنگوں کے زخم کا تریاق
پیامِ صلح و اخوت حدیثِ ختمِ رسلؐ!

ہوائے جنتِ طیبہ، شمیمِ خلدِ حرم
بہارِ گلشنِ امت حدیثِ ختمِ رسلؐ!

جہانِ کذب کی تیرہ فضا میں ہے راسخ
فروغِ شمعِ حقیقت حدیثِ ختمِ رسلؐ!